© rasailojaraid.com

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی فقہی و اجتہادی بصیرت

ضیاء الدین اصلاحی

عراق خصوصاً کوفہ قدیم زمانے میں اہل رائے کا مرکز تھا۔ متعدد نامور علماء و ائمہ اسلام اس سے وابستہ رہے ہیں مشہور اور جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود (م ۳۲ھ) حماد بن ابو سلیمان (م ۱۲۰ھ) امام اعظم ابو حنیفہ (م ۱۵۰ھ) اور ان کے دونوں شہرۂ آفاق اصحاب امام ابو یوسف اور امام محمد بن حسن شیبانی کا تعلق اسی سرزمین سے تھا، ذیل میں امام ابو یوسف کا کچھ حال اور ان کے فقہی کارنامے اور اجتہادی فیصلے پیش کئے جائیں گے۔

امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن سعد انصاری عام مؤرخین اور اہل سیر کے بیان کے مطابق ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۲ھ میں وفات پائی۔ بعض مؤرخین اور مصر کے نئے محققین نے ۹۳ھ کو سنہ ولادت قرار دیا ہے۔

امام صاحب فقیہ، حافظ حدیث اور عام اہل عراق کے مقابلے میں اتباع حدیث میں زیادہ ممتاز سمجھے جاتے تھے، بچپن ہی سے امام ابو حنیفہ اور قاضی محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ (م ۱۴۸ھ) کے حلقۂ درس میں شریک ہوتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ ان دونوں کی مجلس درس سے زیادہ دنیا میں اور کوئی مجلس درس انھیں عزیز نہیں، مجھے امام ابو حنیفہ سے بڑا کوئی فقیہ اور ابن ابی لیلیٰ سے بہتر کوئی قاضی نظر نہیں آیا۔

امام ابو یوسف مسائل کی تحقیق و تدقیق میں امام اعظم کے طرز و انداز اور فقہ حنفی سے زیادہ متاثر ہونے اور اس کی ترتیب و تدوین اور نشر و اشاعت میں شریک و سہیم رہنے کے باوجود بعض اوقات وہ امام ابو حنیفہ کی رائے و مسلک سے اختلاف بھی کرتے ہیں، اصولی مسائل میں بھی اور فروع و جزئیات میں بھی۔ اسی لئے بعض لوگ ان کو مجتہد مطلق تصور کرتے ہیں لیکن امام ابو یوسف خود امام ابو حنیفہ سے اپنی وابستگی اور تعلق کا اعتراف اور اس پر فخر کرتے ہیں اور اپنے کو ان کا ممنون اور خوشہ چیں بتاتے ہیں چنانچہ اکثر مؤرخین نے ان کو اور امام محمد بن حسن شیبانی کو امام اعظمؒ کے تمام اصحاب میں سب سے فائق اور ممتاز مانتے ہیں۔

کسی سرزمین پر ایک حد کے نفاذ کی برکت وہاں چالیس روز تک ہونے والی بارش کی برکت سے بہتر ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے فن قضا کے کچھ اصول وطریقے جن کا سلسلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور قاضی شریح سے ملتا ہے، ابن ابی لیلیٰ سے حاصل کئے تھے، چنانچہ وہ عموماً حضرت علی کے فیصلوں اور مسائل فرائض میں خصوصاً ان کے فتوؤں پر زیادہ اعتماد کرتے تھے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا: ''اقضاکم علی۔''

اسلامی فقہ و قانون میں امام ابو یوسف کے رسوخ اور کمال کے سلسلے میں ان کا بغداد تشریف لانا اور خلفائے عباسیہ مہدی، موسیٰ ہادی اور ہارون الرشید کے زمانے میں محکمہ قضا کی سربراہی قبول کرنا بڑی اہمیت رکھتا ہے، اس سے ان کے تفقہ و قضا کے لئے فضا اور زیادہ وسیع اور ہموار ہوئی۔ علمائے اسلام میں وہ پہلے شخص ہیں جن کو قاضی القضاۃ کا عہدہ و لقب ملا، انھوں نے علمائے اسلام کا ایک خاص اور امتیازی لباس مقرر کیا اور قضا میں بڑی شہرت اور ناموری حاصل کی۔ ان کے بیٹے یوسف بھی ان کی زندگی ہی میں مغربی بغداد کے قاضی مقرر ہوئے، امام صاحب کے بعد بھی ہارون الرشید نے ان کو اس عہدہ پر برقرار رکھا۔

متعدد اسباب کی بناء پر امام ابو یوسف کو منصب قضا قبول کرنا پڑا تھا اور وہ اپنے استاد کی طرح اس سے انکار نہیں کر سکے مگر اپنی وفات سے کچھ پہلے انھوں نے فرمایا تھا'' کاش فقر و فاقہ ہی کی حالت میں مجھ کو موت آ گئی ہوتی اور قضا کے بار گراں کا متحمل نہ ہونا پڑتا، لیکن خدا کا شکر و احسان ہے کہ میں نے کبھی قصداً کوئی خلاف عدل فیصلہ نہیں کیا، اور نہ ایک فریق کو دوسرے فریق پر ترجیح دی، یہاں تک کہ بادشاہ کے ساتھ بھی رعایا کے مقابلے میں کوئی رو رعایت اور امتیازی سلوک نہیں کیا۔'' فرماتے ہیں'' خداوندا! تو جانتا ہے کہ میں نے تیرے بندوں کے کسی معاملے میں کوئی ظلم اور بے انصافی قصداً نہیں کی، ہمیشہ تیری کتاب اور تیرے نبی کی سنت میرے پیش نظر رہی اور ان ہی کے موافق فیصلہ کرنے کی کوشش کی اور مشکلات میں اپنے اور تیرے درمیان ابوحنیفہ کو کر دیا، بخدا میرا خیال ہے کہ وہ تیرے حکم کو اچھی طرح جانتے تھے اور دیدہ و دانستہ حق سے انحراف ان کا طریقہ نہیں تھا۔''

امام ابو یوسف کو احکام و مسائل کا سامنا کرنے اور قضا کا کام انجام دینے کی بناء پر اجتہاد، مسائل کی تفریع اور رائے میں توسع سے کام لینے اور لوگوں کے لئے آسانی پیدا کرنے کے زیادہ مواقع ملے مگر ان کا دار و مدار دلائل نقلیہ و شرعیہ یعنی قرآن و حدیث یا اجماع و قیاس ہی پر رہا،

☆ الاجتہاد لا ینقض بالاجتہاد ☆ اجتہاد اجتہاد کے ساتھ باطل نہیں ہوگا ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن کبھی کبھی وہ دلیل استحسان اور مخارج یعنی تنگیوں اور دشواریوں سے بچنے کے لئے لطیف تدبیروں کو بھی کام میں لاتے تھے۔ اسی طرح منصب قضا پر فائز ہونے کی وجہ سے ان کو حنفی مذہب کی تطبیق، نشر واشاعت اور اس کے حلقۂ اثر کو وسیع کرنے کے بھی زیادہ مواقع ملے۔ قاضی القضاۃ ہونے کی بنا پر ان کو احکام ومسائل سے زیادہ واسطہ اور حکام سے سابقہ رکھنا پڑتا تھا اس لئے امام صاحب خلیفہ کے مقرب اور ارباب اختیار کے فیصلوں اور انتظامات میں دخیل رہتے تھے مشکلات میں اسے مشورے دیتے اور پیش آمدہ مسائل میں اس کی رہنمائی فرماتے اور فتوے دیتے تھے۔ غرض امام ابو یوسف کے فقیہ وقاضی، مفتی وصاحب تدبیر وشورہ اور جامع کمالات ہونے کی بنا پر حنفی مذہب کی بناء تاسیس اور استحکام میں ان کا غیر معمولی اور بہت نمایاں حصہ ہے اور چونکہ حدیثوں پر بھی ان کی وسیع و عمیق نظر تھی اور وہ نزاعی امور ومسائل کے تصفیہ کا عملی تجربہ بھی رکھتے تھے اس لئے انھوں نے حنفی مذہب کو موزونیت اور تناسب سے مالا مال کر دیا اور علمی وعملی دونوں اعتبار سے اسے حسن قبول عطا کیا۔ چنانچہ تمام فقہی مذاہب میں سب سے زیادہ اسی کی شہرت ہے۔

امام ابو یوسف کے مشہور فقہی اقوال حنفی مذہب کی کتابوں میں موجود ہیں اور ان کی اپنی تصنیفات بھی ہیں جن میں کتاب الخراج، کتاب الرد علی سیر الاوزاعی اور کتاب اختلاف ابی حنیفة و ابی لیلیٰ چھپ گئی ہیں۔ ''کتاب الخراج'' پر آگے بحث ہوگی، ''کتاب الرد علی سیر الاوزاعی'' میں جہاد، غنیمت اور صلح و جنگ کے احکام ومسائل درج ہیں، اس سلسلے میں انھوں نے امام اوزاعی کے اقوال نقل کر کے ان پر نقد وتبصرہ اور حنفیہ کے مذہب سے ان کا موازنہ کر کے ان کی تردید کی ہے۔ اختلاف ابی حنیفہ وابی لیلیٰ میں امام ابو یوسف نے اپنے دونوں استادوں کے فقہی اختلافات کا جس کے وہ بڑے واقف کار تھے ذکر کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور قاضی شریح وغیرہ کے اقوال کی روشنی میں ان کا جائزہ لیا ہے اور جس مسلک کو انھوں نے بہتر اور صحیح سمجھا ہے اس کو بیان کیا ہے مگر اس میں انھوں نے بیش تر بلکہ تمام تر امام ابو حنیفہ ہی کی ہمنوائی کی ہے، اس سے ان کی دقت نظر، علمی تبحر، واقعات وحقائق سے گہری واقفیت اور عملی تجربہ کا پورا اندازہ ہوتا ہے۔

اصول فقہ میں امام ابو یوسف کا نہج اور نقطۂ نظر گو عموماً اہل عراق اور اصحاب الرائے کے اصول کے نہج ونقطۂ نظر کے مطابق ہے لیکن انھوں نے بہت سی حدیثوں کو جو ان کے معیار کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطابق صحیح تھیں اور جن کو ان کے اصحاب نے تسلیم نہیں کیا تھا قبول کرلیا ہے اس لئے بعض اوقات وہ اہل حدیث اور کتاب وسنت کے نقلی دلائل کی جانب مائل اور متوجہ ہو گئے ہیں اور اپنی وفات کے وقت فرمایا تھا کہ ''میں اپنے تمام فتووں سے رجوع کرتا ہوں بجز ان کے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے موافق ہیں'' لیکن حدیث کی جانب ان کے میلان واعتناء کے باوجود ان کا طریقہ ونہج دراصل وہی ہے جو اہل رائے کا تھا۔ اس لئے ان کے یہاں بھی اہل الرائے کی طرح عقلی دلائل، اجماع، قیاس اور استحسان وغیرہ کی بنیاد پر اجتہاد ورائے کی کثرت ہے بلکہ ان سے ایسے فتوے اور فیصلے بھی منقول ہیں جو ان کے اصحاب اور ہم مذہب لوگوں کے فتووں اور فیصلوں کے مقابلے میں زیادہ آزادی اور وسعت پر مبنی ہیں۔

امام ابو یوسف کے تمام ماخذ ودلائل پر بحث کی گنجائش نہیں لیکن ان کے اقوال میں دلیل استحسان کے اثر کا اندازہ کرنے کے لئے اس کی مختصر وضاحت کی جاتی ہے۔

علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''استحسان قیاس کے بجائے لوگوں کے موافق حال چیز کو اختیار کرنے اور آسانی کے خیال سے دشواری کو ترک کردینے کا نام ہے۔'' اس کے ثبوت میں انھوں نے **یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر** (الآیۃ) اور **خیر دینکم الیسر** (الحدیث) اور بعض دوسرے دلائل پیش کئے ہیں، گویا استحسان اس دلیل شرعی کو کہتے ہیں جس کا مقصد قیاس کو چھوڑ کر ایسی راہ اختیار کرنا جس کی عرف، مصلحت یا ضرورت وحاجت متقاضی ہو، اس کی مثال یہ ہے کہ احناف نے از روئے استحسان بیع وفا (۱) کو جائز قرار دیا ہے حالانکہ قیاس اس کے خلاف ہے۔'' فقہ کے مختلف مسائل ومراحل میں جن کا امام ابو یوسف کو براہِ راست سامنا کرنا پڑا فقہی استحسان اور عہدہ قضا اور امور سلطنت میں ان کے دخل ومشورہ کے اثرات بہت نمایاں ہیں۔ مثلاً خراج وامور مملکت اور حاکموں کی مسئولیت کے مسائل وغیرہ کی طرف ان کی خاص توجہ، مخارج یا شرعی حیلوں میں توسع سے اور ضرورتوں اور عادتوں کی تبدیلیوں کے مطابق اجتہاد میں تغیر وتبدل سے کام لینا، عموم بلویٰ اور ضرورت کے خیال سے آسانی پیدا کرنا، استعمال حقوق میں زیادتی سے روکنا اور اس قسم کے بعض معاملات میں ان کے مخصوص فیصلے اسی نوعیت کے ہیں۔

خراج اور امورِ سلطنت:

امام ابو یوسف کی جو کتابیں موجود رہ گئی ہیں ان میں کتاب الخراج سب سے مشہور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اہم ہے، اس کو انھوں نے خلیفہ ہارون رشید کی فرمائش پر لکھا تھا، اس میں اصلاً غنیمت، خراج، زکوۃ وصدقات، جزیہ، عشر اور حکومت کے تمام مالی امور اور ٹیکسوں وغیرہ کا مفصل اور تاوان وغیرہ کا مختصر ذکر ہے۔ کتاب کے شروع میں ایک مقدمہ ہے جو تمام تر حکمتوں اور نصائح پر مشتمل ہے۔ اس میں عمل صالح، تقویٰ اور عدل واحسان کی اہمیت اور رعایا کے درمیان مساوات قائم کرنے کی تائید کی گئی ہے، خلیفہ کو خاص طور سے عدل وانصاف کرنے اور ظلم و ناانصافی سے بچنے کی تاکید اور اس کی ذمہ داریوں پر اس کو متنبہ کیا ہے۔ ایک جگہ انھوں نے ایک بڑے اہم مسئلہ سے تعرض کیا ہے اور وہ رعایا کے حقوق کی حفاظت ونگہداشت کے سلسلے میں حکومت کی ذمہ داری کا مسئلہ ہے لکھتے ہیں:

''کسی ثابت شدہ اور معروف حق کے بغیر امام کو کسی شخص کی ملکیت سے کوئی چیز چھین لینے کا بالکل حق نہیں ہے۔''

اس ضمن میں انھوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ جب فوج کے گزرنے سے ایک شخص کی کھیتی تباہ ہوگئی تھی تو آپ نے اس کو معاوضہ دیا تھا۔

حکومت حکام اور عمال کے اعمال کی جواب دہی اور عام لوگوں کے مصالح اور بہبود پر مامور ہوتی ہے اور اس حدیث کے مطابق حکومت، رعایا کی خدمت اور اس کی حفاظت کی ذمہ دار ہے۔

الامام راع و مسئول عن رعیته (امام کی حیثیت نگراں کی ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں جواب طلب کیا جائے گا)۔ یہ ایسا منصفانہ قانون ہے جو حکومت کی ذمہ داری کے متعلق آج کل کے جدید اور ترقی یافتہ نظریات کے بالکل مطابق ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ حکومت اور اس کے چھوٹے بڑے تمام حکام اور عہدے دار دراصل رعایا کے خادم اور انکے حقوق کے محافظ ہیں نہ کہ ظلم و بربریت کرنے والے۔ امام ابو یوسف نے ہارون الرشید کو اس قاعدے کی جانب صرف توجہ ہی نہیں دلائی ہے بلکہ عملاً اور براہِ راست اس کو انجام دینے پر بھی زور دیا ہے اور یہ مشورہ دیا ہے کہ ''آپ ایسے نیک، پاک دامن اور قابل اعتماد اور دیانت دار لوگوں کو مقرر کریں جو عمال و حکام کی سیرتوں کا جائزہ لیں اور شہروں میں ٹیکس وغیرہ وصول کرنے میں ان کا طرز عمل معلوم کریں۔ اگر آپ کو اس کی صحیح اطلاع مل جائے (اور ان کی زیادتی ثابت ہو جائے) تو انھوں نے جتنا زیادہ وصول کیا ہے اس کو ان سے سختی کے ساتھ لے لیا جائے اور انھیں عبرت ناک سزا دی جائے۔''

اس سلسلہ میں انھوں نے ہارون رشید کو یہ مشورہ بھی دیا کہ قاضیوں کو یہ فرمان بھیجا جائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ان کے لئے یہ لازمی قرار دیا جائے کہ ان کو مسافروں اور چوروں کا ایسا جو مال دستیاب ہو جس کا کوئی وارث یا دعوے دار نہ ہو تو اس کو بیت المال میں داخل کیا جائے۔

خراج اور ٹیکس کی بحث فقہی و تاریخی دونوں نقطۂ نظر سے بڑی تشفی بخش ہے۔ امام صاحب نے محض مسائل کی وضاحت ہی پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ ائمہ سلف نے خراج کے احکام و مسائل جس انداز میں پیش کیا ہے ان کا اور ان کے دلائل کا بڑی دقت نظر سے عالمانہ و مجتہدانہ جائزہ لیا ہے اس کی مثال میں دکھایا ہے کہ حضرت عمر کے زمانے میں لگان کے ٹیکس کی مقدار کیا تھی پھر بہ تقاضائے مصلحت انھوں نے اس میں کیا ترمیم کی، اسی طرح اس کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے پہلے فاتحین کے درمیان زمینیں اسی طرح تقسیم کردی جاتی تھیں جس طرح مال غنیمت خمس لینے کے بعد (جو سورۂ انفال کی آیت کریمہ کے منشا کے مطابق شرعی مصارف میں خرچ ہوتا تھا) فاتحین میں بانٹ دیا جاتا تھا لیکن حضرت عمر نے شام، عراق، مصر اور خراسان کی فتح کے بعد اس قاعدہ کو بدل دیا اور فاتحین کے درمیان زمینوں کو تقسیم کردینے کے بجائے انھیں ان کے مالکوں ہی کے قبضے میں رہنے دیا اور ان پر لگان اور مالکوں پر جزیہ عائد کردیا، اس کا مقصد یہ تھا کہ حکومت کی آمدنی کے ذرائع کو بالکل محفوظ کردیا جائے۔

مخارج اور شرعی حیلے:

حیلوں اور مخارج کے مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، جمہور کے نزدیک جن میں ائمہ ثلاثہ بھی ہیں ہر قسم کے حیلے ناجائز ہیں کیونکہ وہ مقاصد شریعت کو فوت کردینے کے ذرائع ہیں اس لئے مقاصد شریعت کے تحفظ کے لئے اس طرح کے تمام ذریعوں کا کلی انسداد ضروری ہے لیکن بعض علمائے اسلام نے کچھ شروط و قیود کے ساتھ ان کو جائز رکھا ہے جیسا کہ احناف کی بعض کتابوں سے جو خاص اسی موضوع پر لکھی گئی ہیں ظاہر ہوتا ہے مثلاً ابوبکر خصاف نے حیلوں سے متعلق ایک مستقل کتاب لکھی ہے اور خود امام ابو یوسف کی جانب بھی اس قسم کی ایک کتاب منسوب کی جاتی ہے مگر وہ غالباً ناپید ہے۔

حیلوں اور شرعی مخارج کے جس طریقے کو امام ابو یوسف اور بعض دوسرے علماء نے جائز قرار دیا ہے وہ ان ہی کے الفاظ میں حسب ذیل ہے۔

کسی سرزمین پر ایک حد کے نفاذ کی برکت وہاں چالیس روز نازل ہونے والی بارش کی برکت سے بہتر ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حیلے اور مخارج ان لطیف تدبیروں کو کہتے ہیں جن کا نصوص سے تصادم اور ٹکراؤ نہ ہوتا ہو اور جن کے ذریعہ تنگی، گناہ اور حرام کاموں سے بچ کر راہ حلال کی طرف اس طرح چلے آنا کہ کسی حق کو باطل یا باطل کو حق نہ ثابت کرنا پڑے اور نہ کسی ملمع سازی، فریب اور شبہ کو اس میں دخل ہو۔ اس کی مثال یہ دی جاتی ہے کہ اگر قسم کھانے والا مظلوم ہو تو اس کی نیت کے مطابق قسم کا اعتبار کرلیا جائے گا حالانکہ قسموں کے بارے میں اصول یہ تھا کہ قسم دلانے والے (مستحلف) کی نیت کے مطابق ان کا اعتبار کیا جائے کیونکہ اس کا حق ان سے وابستہ ہوتا ہے لیکن اس اعتبار اور اس کے حق کو باطل کئے بغیر صرف ظلم سے بچنے کے لئے دوسرا فیصلہ کیا گیا ہے۔

خطیب بغدادی نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ہارون رشید نے امام صاحب کو بلوا کر کہا کہ عیسیٰ بن جعفر جو میرے حاشیہ نشینوں میں ہے اس نے اپنی لونڈی کو ہبہ یا بیع نہ کرنے کا یہ بہانہ کیا ہے کہ اگر وہ اس کو ہبہ یا بیع کرے گا تو اس کی بیوی کو طلاق، اس کے غلام آزاد اور اس کی تمام ملکیت صدقہ ہو جائے گی۔ اس سے چھٹکارے کی کیا شکل ہے؟ امام صاحب نے فرمایا کہ وہ نصف ہبہ اور نصف بیع کردے کیونکہ قسم تو اس نے پوری لونڈی کو ہبہ یا بیع کرنے کی کھائی ہے نہ کہ بعض کی، اس فتویٰ اور حیلہ سے ایک ایسی شکل نکل آئی جس سے دو شخص تنگی اور دشواری سے نکل آئے اور کس حق کو باطل اور باطل کو حق نہیں کرنا پڑا۔

تغیر احکام:

امام ابو یوسف کے جو اصول اور فتوے استحسان پر مبنی ہیں ان میں ایک بڑا اور اہم اصول وقاعدہ احکام ومسائل کی تبدیلی کا بھی ہے جس کی اکثر فقہاء مثلاً عزالدین بن عبد السلام، حافظ ابن قیم جوزی، شہاب الدین قرافی اور نجم الدین طوفی وغیرہ نے بھی تصریح کی ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ زمان ومکان کے اختلاف اور حالات کی تبدیلی سے اجتہادات، احکام اور فتوؤں میں بھی تغیر و تبدل ہو جاتا ہے اور اس کا سبب علت یا عادت کی تبدیلی یا ضرورت ومصلحت کا تقاضا ہوتا ہے، فقہاء نے اس کے لئے کچھ شرطیں اور ضابطے مقرر کئے ہیں۔

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں اس کی ایک مثال یہ بیان کی ہے کہ حضرت عمر کے زمانے میں لگان کا جو ٹیکس تھا اس میں انھوں نے حالات اور امصار کے اختلاف کی بناپر کمی کردی تھی۔

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ جمہور فقہاء اور ائمہ مذاہب کے نزدیک جن میں امام ابوحنیفہ

☆ الاجتہاد لا ینقض بالاجتہاد ☆ اجتہاد اجتہاد سے باطل نہیں ہوگا ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور امام محمد بن حسن شیبانی بھی شامل ہیں، تغیر احکام کا قاعدہ ان ہی مسائل تک محدود ہے جن کے بارے میں کوئی نص اور دلیل منقول نہ ہو لیکن جس مسئلے میں کوئی نص شرعی موجود ہو اس میں نص کا اتباع ضروری ہے خواہ ضرورت، عادت اور عرف کتنے ہی بدل جائیں کیونکہ نص، عرف، عادت اور اجتہاد وغیرہ سے مقدم اور اہم ہے اور نص کی موجودگی میں اجتہاد کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا لیکن امام ابو یوسف کا نقطہ نظر اس سے کسی قدر مختلف ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اگر خود نص شرعی کی بنیاد عرف و عادت پر ہو تو ایسی صورت میں اگر بعد میں اختلاف عادت ہو گیا تو بطریق استحسان اسی کو اختیار کیا جائے گا اس لئے کہ نص شرعی میں دراصل عادت ہی کی رعایت کی گئی ہے اور یہ اس اصولی اور بنیادی قاعدے کے بالکل مطابق ہے۔

ان الحکم الشرعی المبنی علی علة یدور مع علته و جودا و عدما۔ (جو حکم شرعی کسی علت پر مبنی ہو وہ اپنی علت کے عدم وجود کی صورت میں متغیر ہوتا رہتا ہے)۔

اس کی مثال یہ ہے کہ گیہوں اور جو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کیلی چیزوں میں سے تھے اور ان کو پیمانے سے ناپ کر بیچا جاتا تھا جس کا ذکر حدیثوں میں اسی حیثیت سے ہے لیکن امام ابو یوسف کے زمانے میں اختلاف عادت کی وجہ سے یہ وزنی چیزوں میں آ گئے اور ان کو تول کر فروخت کیا جانے لگا، اس لئے امام ابو یوسف نے نص شرعی کے مقابلے میں اس نئی علت اور موجودہ صورت حال کا لحاظ کیا ہے کیونکہ عادت ہی دراصل نص کی علت اور اس کی مطابقت کی شرط تھی اور اب جب کہ علت میں تبدیلی ہوگئی تو اس حکم میں بھی جو اس علت پر مبنی تھا، مطابقت کی شرط باقی نہیں رہی۔

ابن عابدین نے لکھا ہے کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا منشا نص کو عادت سے معلول کرنا ہے یعنی گیہوں جو اور کھجور وغیرہ کے کیلی اور سونا چاندی کے وزنی چیزوں میں ہونے کے متعلق جو نص وارد ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانے میں یہی رواج تھا اس لئے یہ نص اس وقت صرف عادت پر مبنی تھا، اگر بالفرض عادت اس کے برعکس ہوتی یعنی گیہوں وزنی اور سونا کیلی چیزوں میں ہوتا تو اسی لحاظ سے نص بھی وارد ہوتا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ جب بعض چیزوں کی کیلی اور بعض کے وزنی ہونے کے متعلق نص کی علت عادت ہے تو اسی کا اعتبار بھی کیا جائے گا اور جب اس میں تبدیلی واقع ہو جائے گی تو حکم بھی بدل جائے گا اس لئے نتیجہ یہ نکلا کہ جدید و متغیر عادت کا لحاظ کرنا نص کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منافی نہیں بلکہ دراصل اس کا اتباع ہے۔

دوسرے لفظوں میں یوں سمجھنا چاہئے کہ امام ابو یوسف نے تغیر احکام کے سلسلے میں استحسان پر جو عمل کیا ہے اس کا نصوص کی تبدیلی سے کوئی تعلق نہیں، کیونکہ اور ائمہ کی طرح ان کے نزدیک بھی نص نہایت مقدس، محترم اور مقدم چیز ہے اور اسے کسی حال میں بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا جائے گا اس لئے اس استحسان کا مقصد بھی دراصل نص ہی کا اتباع ہے جو ایک عادت پر مبنی تھا۔

ایک دفعہ ان سے کوئی مسئلہ دریافت کیا گیا، امام صاحب نے جواباً جو فتویٰ دیا وہ اتفاق سے مستفتی کی مرضی کے مطابق تھا اس کے صلہ میں اس نے ایک گراں قدر ہدیہ بھیجا جس میں چاندی، سونا اور درہم و دینار بھی تھے، ایک شریک مجلس نے یہ دیکھ کر یہ حدیث بیان کی۔

من اهديت له هدية فجلساؤه شركاء فيها۔ (جس کو کوئی ہدیہ کیا جائے تو اس میں اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے لوگوں کا بھی حصہ ہے)۔

امام صاحب نے برجستہ جواب دیا کہ یہ ارشاد نبوی اس موقع کے لئے تھا جب لوگوں کے پاس چھوہارے اور دودھ ہدیے میں آتے تھے اور اب وہ عادت جس پر اس حدیث کی بنیاد تھی اور جس کا اس میں لحاظ کیا گیا تھا بدل چکی ہے۔ اس لئے ہدیہ میں حاضرین کا حصہ ضروری نہیں رہا۔

اس مسئلہ میں امام ابو یوسف ہی کی رائے کو مجلۃ الاحکام العدلیۃ العثمانیہ میں اختیار کر کے یہ تصریح کی ہے۔

لا ينكر تغيير الاحكام بتغيير الازمان۔ (دفعہ ۳۹) (زمانے کی تبدیلیوں کی وجہ سے احکام میں تبدیلیاں کرنا معیوب نہیں ہے)۔

لجنۂ مجلّہ نے اس دفعہ کی تشریح کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ:

انه بتبدل الاعصار تتبدل المسائل التى يلزم بناؤها على العرف والعادة۔ (جن مسئلوں کا دارومدار عرف و عادت پر ہوا کرتا ہے وہ زمانے کی تبدیلیوں کی وجہ سے بدل جایا کرتے ہیں)۔

اس سے امام ابو یوسف کے تعمق، وسعت نظر اور مسائل قضا کے عملی تجربات کا اندازہ ہوتا ہے اور لوگوں کی سہولتوں اور زمانہ کی ترقی، تمدن کے ارتقاء اور لوگوں کی عام فلاح و بہبود کے نقطۂ نظر سے ان کے حالات و معاملات میں تبدیلی کرنے میں استحسان کا فائدہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضرورت کی بناء پر تیسیر :

احکام ومسائل کی تبدیلی کا ایک اصولی قاعدہ یہ بھی ہے کہ دشواری اور تنگی کو رفع کر کے ضرورت کی وجہ سے معاملات میں آسانی اور سہولت پیدا کر دی جائے، فقہی کتابوں میں مختلف پیرایوں میں اس اصول کا ذکر ملتا ہے۔

المشقة تجلب التيسير (دشواری آسانی پیدا کرتی ہے)۔

والامر اذا ضاق اتسع (اور جب معاملہ دشوار اور تنگ ہو جاتا ہے تو اس میں سہولت اور وسعت بھی پیدا ہو جاتی ہے)۔

والضرورات تبيح المحظورات (اور ضرورتیں ممنوع چیزوں کو مباح کر دیتی ہیں)

اس کی مثالیں یہ ہیں کہ اپنی جان کی حفاظت اور مدافعت کے لئے دوسروں کو قتل کر دینا جائز ہے۔ اگر بھوکے کو کھانا نہ ملنے سے ہلاک ہو جانے کا اندیشہ ہو تو مردار کا گوشت کھا لینے اور پیاسے کو پانی نہ ملنے کی صورت میں شراب پی لینے کی رخصت واجازت ہے بلکہ حنفیہ دوا کے لئے بھی بطریق استحسان شراب کے استعمال کی رخصت دیتے ہیں بعض اوقات دشواری اور عموم بلویٰ کی بنا پر بھی سہولت پیدا کی جاتی ہے جس کا ثبوت اس آیت کریمہ سے ملتا ہے۔

وان كان ذوا عسرة فنظرة الى ميسرة۔ (بقرہ۲: ۲۸۰)

(اگر مقروض تنگ دستی میں مبتلا ہو تو فراخی تک مہلت دو)۔

جمہور فقہاء نے مشقت اور تنگی کو بھی اس شرط اور قید سے مقید کیا ہے کہ اس کا صرف ان صورتوں اور جگہوں میں اعتبار کیا جائے گا جن میں نص نہ ہو، امام ابوحنیفہ اور امام محمد کی بھی یہی رائے ہے لیکن امام ابو یوسف صاحب یہاں بھی استحسان کو پیش نظر رکھ کر فرماتے ہیں کہ نص کی موجودگی میں بھی مشقت اور حرج کا لحاظ کیا جائے گا۔ اس میں شرعی دلائل کے علاوہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل وغیرہ کو بھی انھوں نے اپنا مستدل بنایا ہے۔

حقوق کے استعمال میں زیادتی :

امام ابو یوسف کے جو فیصلے قیاس کے خلاف استحسان پر مبنی ہیں ان میں ایک مسئلہ "تعسف فی استعمال الحقوق" کا بھی ہے۔

کسی سرزمین پر ایک حد کے نفاذ کی برکت وہاں چالیس روز تک نازل ہونے والی بارش کی برکت سے بہتر ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ تو معلوم ہے کہ ہر انسان کے لئے اپنے حقوق کا استعمال کرنا جائز ہے اور مجرد اس استعمال سے تاوان وضمان عائد نہیں ہو سکتا، کتب اصول اور مجلّہ احکام عدلیہ میں یہ قاعدہ اس طرح مذکور ہے۔

> الجواز الشرعي ينافي الضمان مثلا لو حفر انسان في ملكه بئرا فوق فيها حيوان وهلك لا يضمن حافر البئر شيئا۔
>
> (اگر کوئی چیز شرعاً جائز ہو تو اس کے کرنے میں کوئی ضمان نہیں عائد ہوگا مثلاً اگر کوئی انسان اپنی ملکیت کی زمین میں کوئی کنواں کھودے اور اس میں کوئی جانور گر کر ہلاک ہو جائے تو کنواں کھودنے والے کو کوئی تاوان نہیں دینا پڑے گا)۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ کنواں کھودنے والے نے ایسا کام کیا تھا جو شرعاً جائز تھا اس شرعی جواز نے اس کو اس نقصان کی ذمہ داری سے جو حیوان کے کنویں میں گر کر ہلاک ہونے سے ہوا ہے بری کر دیا۔ لیکن بعض حالات میں حق کا استعمال دوسروں کے جسمانی نقصان کا سبب بن جاتا ہے اور کبھی اس کو ظلم و زیادتی کے ساتھ حاصل کیا جاتا ہے کیا ایسی شکلوں میں اس ضرر رساں استعمال کو ممنوع یا موجب تاوان بنایا جا سکتا ہے؟ اس بارے میں مختلف رائیں ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ خود حنفی مذہب کے ائمہ نے اس نازک اور دقیق سوال کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ خصوصاً اس صورت میں جب پڑوسی کا معاملہ ہو، فتاویٰ قاضی خاں کی روایت کے مطابق ابو حنیفہ کی رائے یہ ہے کہ ”کسی شخص کو اس کی ملکیت میں تصرف کرنے سے نہیں روکا جا سکتا خواہ اس کے پڑوسی ہی کا نقصان کیوں نہ ہو رہا ہو“ یہ قول چونکہ قیاس کے مطابق ہے اس لئے عام روایتوں کے مطابق ہے اور حنفیہ کا عمل اسی پر ہے مگر امام ابو یوسف نے اس موقع پر قیاس کے بجائے استحسان پر عمل کیا ہے اور ان ہی کے مسلک کو مجلّہ احکام عدلیہ نے اختیار کر کے لکھا ہے کہ کسی شخص کو اس کی ملکیت میں تصرف سے روکا نہیں جا سکتا بجز اس صورت کے جس میں اس کے تصرف سے دوسرے کو شدید نقصان پہنچتا ہو، (دفعہ ۱۱۹۷) آگے چل کر یہ بھی لکھا ہے کہ سنگین قسم کے نقصان کو جس طرح ممکن ہوگا ختم کیا جائے گا۔ (دفعہ ۱۲۰۰)

اس استحسان کی بنیاد اس قاعدہ کلیہ پر ہے کہ ”دفع مفاسد جلب منافع سے زیادہ ضروری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اوراہم ہے۔'' (دفعہ ۳۰) اس کا مقصد یہ ہے کہ آدمی کو اس کے حق کے استعمال سے صرف اس وقت روکا جائے گا جب اس کے نتیجے میں اس کے پڑوسی کو سنگین قسم کا نقصان پہنچ رہا ہو کیونکہ پڑوسی کو شدید نقصان سے بچانا حق دار کے نفع کو باقی رکھنے سے زیادہ اہم اور ضروری ہے۔

یہ موزوں اور مناسب قاعدہ اس اجتماعی عدل وانصاف کی روح کے عین مطابق ہے جو حقوق کو محض انفرادی نقطۂ نگاہ سے نہیں دیکھتا بلکہ ان کو ان مصلحتوں کا پابند خیال کرتا ہے جن پر وہ قائم و مرکوز ہوتے ہیں۔ یہ مصالح ایک حق کو دوسرے حق سے اس لئے وابستہ اور مقید رکھتی ہیں تاکہ متصادم حقوق کے درمیان توازن اور اجتماعی زندگی میں اہل حقوق کی فلاح وسعادت کو برقرار رکھا جا سکے۔

استعمال حقوق میں تعسف وزیادتی کا نظریہ موجودہ دور کے اہم نظریات میں سے ہے، آٹھویں صدی ہجری کے مشہور مالکی فقیہ و عالم امام ابو اسحٰق شاطبی نے بھی اس کی جانب توجہ دلائی ہے۔

امام ابو یوسف کے بعض خاص خاص فتوے اور اہم فیصلے :

ان کے فتوے اور اجتہادات بے شمار ہیں، سب کو نقل کرنے کی گنجائش نہیں تاہم چند کو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

ا۔ دلیل و بینہ :

پہلے دلیل و بینہ کے تعلق سے بعض مثالیں ملاحظہ ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لو یعطی الناس بدعواھم لا دعی ناس دماء رجال و اموالھم۔

(اگر لوگوں کو محض ان کے دعوے کی بناء پر دیا جانے لگے تو کچھ لوگ دوسرے لوگوں کی جانب و مال سب کا دعویٰ کردیں گے)۔

اس لئے دعوے میں ثبوت و دلائل کی بڑی اہمیت ہے اور ان کی چھان بین اور قبول کرنے میں احتیاط ضروری ہے۔

کسی مسئلے کا بنیادی قاعدہ یہ ہے کہ اقرار کرنے کے بعد اگر کوئی شخص اپنے اقرار پر قائم نہ رہے تو ایسی صورت میں یعنی اقرار کو بدل دینے پر دلیل قبول نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ اقرار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بذاتِ خود بہت بڑی اور قوی دلیل ہے اور اقرار ہی کے نتیجے میں آدمی سے مواخذہ کیا جاتا ہے مگر بعض فقہاء کے نزدیک جن میں امام ابو یوسف بھی ہیں اس صورت میں بھی اقرار پر قائم رہنے والے کو موقع دیا جائے گا کہ جس کے حق میں اس نے اقرار کیا تھا اس سے قسم لے۔

اسی طرح یہ بھی اصولی بات ہے کہ ایک فریق کے مطالبہ کے بغیر دوسرا فریق قسم نہیں کھائے گا لیکن بعض ائمہ سے کچھ ایسی صورتیں بیان کی ہیں جن میں قاضی کو اختیار حاصل ہے کہ وہ بلاطلب بھی مدعی سے اس کے دعوے کی مزید توثیق اور مطالبہ کے سچا ہونے کی غرض سے قسم لے سکتا ہے۔ اسی قسم میں امام ابو یوسف کا یہ فیصلہ بھی آتا ہے کہ اگر عورت اپنے غیر موجود شوہر سے نان نفقہ کا مطالبہ کرے تو اس سے اس بات کی قسم لی جائے گی کہ شوہر نے اس کے لئے نہ تو کوئی چیز چھوڑی ہے اور نہ اس کو کوئی نفقہ دیا ہے اسی پر حنفیہ کا عمل ہے۔

۲۔ معاملات وتصرفات میں نیت وارادہ کی حمایت:

امام ابو یوسف کے احکام ومسائل کے اصل منشاء ومقصد میں غور وفکر اور لوگوں کی عادتوں کے مطابق ان کے تعامل کو برقرار رکھنے کی شدید خواہش ہی کا نتیجہ ہے کہ وہ متعاقدین کی نیت کی تشریح میں بعض اوقات امام ابوحنیفہ سے اختلاف کرتے ہیں مثلاً اگر کسی معاملہ میں حقیقی ومجازی معنی کے درمیان تعارض ہو اور مجازی معنی کا استعمال عرف عام اور مشہور ہو تو امام ابو یوسف متعاقدین کی نیت کا اعتبار کر کے اس کو حقیقی معنی پر ترجیح دیتے ہیں مجلّہ احکام عدلیہ عثمانیہ میں اس قول کو قاعدہ کلیہ کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

الحقیقة تترک بدلالة العادة (دلالت عادت کی بنا پر حقیقت کو ترک کر دیا جائے گا)

اس کی دوسری مثال فضول خرچ، بے پروا اور بے عقل کو اس کی ملکیت میں تصرف سے روکنے کا مسئلہ ہے۔ امام ابوحنیفہ اس کے قائل نہیں ہیں، کیونکہ یہ حقوق میں تصرف و مداخلت ہے، حالانکہ قاعدہ یہ ہے کہ مال کے مقابلے میں جان کی اہمیت زیادہ ہے۔ اس لئے کسی آدمی کی شخصی آزادی کو محض اس کے مال کی حفاظت کی غرض سے سلب نہیں کیا جا سکتا مگر امام ابو یوسف اور جمہور فقہاء نے اس میں ان کی رائے سے اختلاف کیا ہے ان لوگوں کے نزدیک متعدد عقلی ونقلی دلائل کی بناء پر ''حجر سفیہ'' یعنی بے عقل کو اس کی ملک میں تصرف سے روکنا جائز ہے اس مسئلے میں امام ابو

☆ اترکوا قولی بخبر الرسول ﷺ ☆ احادیث شریف کے مقابل میرے قول کو چھوڑ دو (ابوحنیفہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یوسف وغیرہ کا مسلک عمل وتجربہ پر مبنی اور اجتماعی معاملات میں لوگوں کے عادات و اطوار کے مطابق ہے کیونکہ بے وقوف کمزور ارادہ والا ہوتا ہے، اس لئے اس کو تصرف سے روکنے میں دراصل اس کی خیر خواہی اور جان و مال دونوں کی حفاظت ہے۔ اسی طرح وہ امام ابوحنیفہ کے برخلاف قرض خواہوں کے مطالبہ پر مفلس قرضدار یا ادائیگی قرض میں ٹال مٹول کرنے والے کو بھی تصرف سے روک دینے کے قائل ہیں۔ اسی سے ملتا جلتا مذہب حنفی سے ان کا وہ اختلاف بھی ہے جو انھوں نے ولایت معتوہ کے مسئلے میں کیا ہے چنانچہ وہ عام ولایت کا اعتبار کرکے اس میں بھی حاکم کے لئے تخصیص کے قائل ہیں۔(۱)

اسی طرح ان کا عام مذہب حنفی سے اس میں بھی اختلاف ہے کہ وہ ولایت مال میں وصی مختار کی وصیت کی تخصیص کو جائز قرار دیتے ہیں۔

۳۔ بذریعہ کفالت حقوق کی توثیق:

بیوی کے نان نفقہ کا شوہر ذمہ دار ہے اس لئے اگر شوہر کے سفر کا اندیشہ ہو تو امام ابو یوسف نے بربنائے استحسان عورت کو یہ حق دیا ہے کہ وہ ایک مہینہ کے نفقہ کے لئے شوہر سے سفر سے پہلے ہی کوئی کفیل مقرر کرالے۔

اسی طرح اگر ورثہ میں کوئی ایسا وارث ہو جو ابھی ماں کے پیٹ میں ہو اور لوگ اس کی ولادت سے پہلے ہی ترکہ کی تقسیم کر لینا چاہتے ہوں تو امام ابو یوسف ایک لڑکے کا حصہ روکے رکھنے کے علاوہ مزید یہ شرط بھی عائد کرتے ہیں کہ ان لوگوں کو ایک ایسا کفیل بھی مقرر کرنا پڑے گا جو کئی بچے پیدا ہونے کی صورت میں ان کے حصوں کا ضامن بن سکے۔

۴۔ معاملات میں آسانی پیدا کرنا:

بعض اوقات نہایت دشوار اور مشکل فقہی مسائل پیش آجاتے ہیں اس کا صحیح اندازہ وہی

۱۔ اس کی مختصر توضیح یہ ہے کہ فقہاء نے ولایت کی دو قسمیں کی ہیں، ولایت علی الذات اور ولایت علی المال، مردوں کو بلا اختلاف دونوں ولایتیں حاصل ہو سکتی ہیں لیکن عورت کو اول ولایت ہی مل سکتی ہیں لیکن چونکہ عام ولایت کا اصل ذمہ دار قاضی و حاکم ہوتا ہے، اس لحاظ سے امام ابو یوسف کا خیال یہ ہے کہ اگر وہ چاہے تو عورت کو بھی ولایت علی المال کا ذمہ دار بنا سکتا ہے مثلاً اگر معتوہ کی ماں اور دادا دونوں ولایت علی المال کے خواستگار ہوں تو قاضی ماں کو ولایت مال کا حق دے سکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکام اور قضاۃ کر سکتے ہیں جن کو ان کا عملی تجربہ اور براہِ راست سامنا کرنا پڑتا ہے اسی لئے وہ لوگ جس قدر ممکن ہوتا ہے ان میں گنجائش اور سہولت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ معاملات و مسائل صحیح شکل میں انجام پا سکیں اور جھگڑوں کا بہ آسانی تصفیہ ہو سکے اور مشقت وتنگی بھی باقی نہ رہے۔ مثلاً:

> اگر کوئی درزی مالک کی اجازت کے بغیر اس کا کپڑا بیچ دے اور خریدار اس کی قمیص بنوالے تو یہ بیع مالک کی مرضی پر موقوف ہوگی اگر وہ اسے جائز قرار دے دے تو امام ابو یوسف کے نزدیک ازروئے استحسان یہ بیع صحیح ہو جائے گی۔

امام ابو یوسف کے عملی فیصلوں میں وقف کے متعلق ان کا یہ قول بھی ہے کہ وہ مجرد ان الفاظ اور صیغوں سے جو اس کی شرطیں پوری کر دیتے ہوں لازم ہو جائے گا ان کے نزدیک وقف کا لزوم حکم یا تسلیم پر موقوف نہیں اس کے مقابلے میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ حکم قاضی پر اور امام محمد کے نزدیک واقف کی حوالگی پر موقوف ہے۔

مسئلہ وراثت میں ان ورثہ کے درمیان جو ذوی الارحام کہلاتے ہیں ترکہ کی تقسیم میں سہولت پیدا کرنے کی مثال یہ ہے کہ وہ فروع کی حالتوں کا اعتبار کرتے ہیں لیکن امام محمد اصول کی حالت کا لحاظ کرتے ہیں مثلاً زید کے انتقال کے بعد اس کے نواسے کی ایک لڑکی ہو اور ایک نواسی کی ہو تو امام ابو یوسف کے نزدیک مندرجہ ذیل نقشہ کے مطابق ترکہ نصف نصف تقسیم ہوگا۔

میت زید ۔۲

بنت ابن بنت — بنت بنت بنت

لیکن امام محمد کے نزدیک تین حصے کیے جائیں گے بنت ابن البنت (نواسے کی لڑکی) کو دو اور بنت بنت البنت (نواسی کی لڑکی) کو ایک حصہ ملے گا، گویا ان کے نزدیک مسئلہ کی اصل صورت یہ ہے کہ میت نے نواسہ اور نواسی چھوڑے ہیں اس لئے جو حصہ ان کو ملتا وہی حصہ اب ان کی اولاد کی جانب منتقل ہوگا اس طرح انھوں نے اصول (نواسہ اور نواسی) کی حالت کا لحاظ کیا مگر امام ابو یوسف

کسی سرزمین پر ایک حد کے نفاذ کی برکت چالیس راتوں تک بارش ہونے کی برکت سے بہتر ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فروع (نواسہ اور نواسی کی اولاد) کی حالت کا لحاظ کرتے ہیں۔ (فتاویٰ عالمگیری، جلد ۶، ص ۵۵۹)

اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ امام ابو یوسف مریض اور اس کے کسی وارث کے درمیان مرض الموت میں ثمن مثل پر بیع وشرا کو جائز قرار دیتے ہیں اور امام ابوحنیفہ اس قسم کی بیع کو مشکوک اور مریض کی وفات کے بعد اس کے ورثہ کی اجازت پر موقوف کرتے ہیں۔

۵۔ تصرفات فعلیہ میں ضمان:

عملی تصرفات کا دائرہ فقہ وقضا کے وسیع دائروں میں ہے اور اس سے قاضی کے علم و واقفیت اور تجربہ ومہارت کا پتہ چلتا اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ معاملات کی گہرائی اور سوسائٹی کی ضروریات کو کس حد تک سمجھتا ہے اور جیسا کہ معلوم ہے ان تصرفات کا تعلق غیر مشروع کاموں اور ایسے جرائم سے ہے جن میں دوسروں کا نقصان ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں قاضی القضاۃ امام ابو یوسف نے انوکھے اور دلچسپ فیصلے کیے ہیں بعض بطور مثال ملاحظہ ہوں۔

بچہ کو غصب اور اس کی حفاظت میں کوتاہی کے سلسلے میں ایک جزئیہ ہے کہ اگر بچہ غاصب کی کوتاہی کی بناء پر اپنے کو ہلاک کر ڈالے یا جانور کی پشت سے گرادے تو امام ابو یوسف کے قول کے مطابق غاصب نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔

اسی طرح مار پیٹ اور ان زخموں کے بارے میں جن کا بھر جانے کے بعد کوئی اثر ونشان نہ رہ جاتا ہو امام ابو یوسف کا فتویٰ یہ ہے کہ مضروب و مجروح کو مجرم سے دوا کی قیمت اور اطباء کی فیس کے مطالبہ کا حق ہے۔

امام صاحب کے دلچسپ فیصلوں اور لطیف فتووں میں ایک وہ بھی ہے جو شارع عام میں کنواں کھودنے کے متعلق بیان کیا جاتا ہے اگر کسی پتھر سے ٹھوکر کھا کر کوئی شخص اس کنویں میں گر پڑے تو پتھر رکھنے والے کو تاوان دینا پڑے گا گویا اس نے دھکیل کر اس کو گرایا ہے لیکن اگر پتھر رکھنے والے کا پتہ نہ چل سکے تو کنویں والے پر تاوان عائد ہوگا۔ اگر کسی نے پانی بہا دیا تھا اور اس سے پھسل کر کوئی شخص کنویں میں گر کر ہلاک ہوگیا تو پانی گرانے والے کو، لیکن اگر بارش کا پانی ہو تو کنویں والے کو تاوان دینا پڑے گا۔ اگر کسی نے اپنے نوکر سے عام راستے میں کنواں کھودوایا اور اس میں گر کر کوئی شخص ہلاک ہوگیا تو مزدور کو حکم دینے والے کے اقربا ضامن ہوں گے۔

© rasailojaraid.com